مہک....زندگی کی

قمر قدیر ارم

بارہ دری، بالمقابل چرچ، مرادآباد۔244001 (یوپی) موبائل: 9411680546

اُس سے پہلی ملاقات ایک اتفاق ہی تھی۔ وہ کوئی ایسا کردار بھی نہیں تھی کہ اس پر کوئی کہانی لکھی جائے اور میں ویسے بھی عرصہ سے خالی الذہن تھی اور یہ ملاقات بھی کیا تھی۔ عید کی ایک دعوت میں ملے تھے ہم۔ یہ پروگرام ہمارے ایک عزیز نجیؔد کے گھر پہ تھی جو مدینہ خلیفہ ساؤتھ کے ایک وِلا میں رہتے تھے۔

دوسری ملاقات عید کے تیسرے دن ہماری طرف سے نجیؔد کے اہلِ خانہ کی تھی۔ جس کا انتظام ہم نے انہی کی فرمائش پر ''مطعم پنجاب'' (پنجاب ریسٹورنٹ) میں کیا تھا۔ دراصل یہاں کا ہندوستانی کھانا مشہور تھا۔ خاص طور پر ''مغ صالونہ'' (مصالحہ بھیجا) اور ''دجاج اُتشاری ہاندی'' (چکن اچاری ہانڈی) لوگوں کی پسندیدہ ڈشز تھیں۔

اور پھر تیسری ملاقات۔ یہ بھی عید ہی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ یہاں عید کی لمبی چھٹیاں تھیں اور وِلاجیو (Villaggio) کا مصنوعی بادلوں سے سجا، نیلا، سفید ٹھنڈا آسمان، نہر میں ٹھہری چھوٹی چھوٹی لانچیں....! باہر کی تیز اور گرم ہواؤں کو یکسر بھلا دینے کے لیے کافی تھی۔ بھیڑ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا گویا پورا قطر یہیں سمٹ آیا ہے۔ دنیا بھر کی تمام برانڈیڈ کمپنیوں کے شوروم، ہر طرح کے کھانوں کے ریسٹورنٹ، بھانت بھانت کے لوگ، لیکن کوئی افراتفری نہیں، کوئی ہڑبڑاہٹ نہیں، شور شرابا نہیں۔ سکون ہی سکون۔

میں نے شروع ہی سے ایک بات نوٹ کی تھی کہ وہ انتہائی فیشن ایبل لڑکی تھی۔ گہرے میک اَپ اور بھڑکیلی پوشاک میں ہر بار ہیئر اسٹائل بدل جاتا۔ کبھی بفون اسٹائل، تو کبھی بُشی ہیئر، کبھی بلنٹ کٹ تو کبھی فرینچ ٹوسٹرس۔ اس کا بس چلتا تو فلم 'ہوتو تو' کی تبّو کا کروپڈ ہیئر کٹ بھی اپنا لیتی۔ سب سے برا ہیپ کٹ لگتا تھا۔ جنگلی جھاڑیوں سی بکھری جھانگڑ زلفیں۔ ہر لباس اور اسٹائل میں مجھے وہ مضحکہ خیز نظر آتی۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کی باتیں بھی برانڈیڈ اور نئے فیشن ٹرینڈ پر ہی فوکس کرتیں۔ وہ نجیؔد کی والدہ کے ساتھ ہر جگہ مل جاتی ان کی وہیل چیئر سنبھالے، مسکراتی ہوئی، غیر ضروری باتیں کرتی ہوئی، لکھنؤ اس کا آبائی وطن تھا، لیکن لڑکھڑاتے ہوئے الہڑ پن سے چلنا، بے وجہ آنکھیں مٹکانا، ہر وقت کسی ماڈل کی طرح دانتوں کی نمائش کرنا، ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھنا، بیٹھے بیٹھے پیروں کو لگاتار ہلانا.... یہ سب مجھے انتہائی پھوہڑ لگتا تھا۔ میں ہمیشہ اس کو نظر انداز کر کے نجیؔد کی والدہ سے ہی باتوں میں مصروف رہتی۔ ہماری باتیں اکثر حالاتِ حاضرہ سے متعلق ہوا کرتیں۔ بزرگ لوگوں میں ایک خاص بات ہوتی ہے کہ وہ گزرے زمانے کی باتیں موجودہ دَور کے تناظر میں ضرور کرتے ہیں اور اگر بائی چانس وہ جسمانی طور پر کمزور یا معذور ہوں یا پھر جسمانی حرکات میں تعطل یا کمی آجاتی ہے تو ان کی زبانیں بہت تیز ہو جاتی ہیں۔ بولتے ہیں تو نان اسٹاپ۔ یہاں بھی معاملہ یہی ہوتا کہ وہ بولتی جاتیں میں سنتی جاتی۔

لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس دوران بار بار میری نظر نہ جانے کیوں اس پر پڑ ہی جاتی تھی۔ نام اس کا.... ہاں یاد آیا۔ شاید مہک نام تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی نام ہوا؟ پتہ نہیں لوگ اپنے بچوں کے ایسے نام کیوں رکھتے ہیں؟ یا تو بہت مشکل رکھیں گے کہ ڈھنگ سے لیے بھی نہ جاسکیں یا پھر ایسے ہی بس چلتے پھرتے۔ اس کے نام کا ذکر کرتے ہوئے نجیؔد کی والدہ نے بڑے مزے کے ساتھ بتایا تھا کہ وہ زی۔ ٹی۔ وی کا سیریل ''زندگی کی مہک'' کبھی مِس نہیں کرتی تھی، لیکن یہاں آکر اِس سیریل سے محروم ہوگئی ہے۔ یہاں 'ایئر ٹیل' کا سیٹ اَپ باکس نہیں لگ سکتا تھا ورنہ جرمانہ پڑ جاتا اور اسی وجہ سے مہک کا دل یہاں نہیں لگ رہا ہے۔ بار بار واپس چلنے کی ضد کرتی رہتی ہے۔ واپسی کے ٹکٹ کرا لیے ہیں۔ آؤٹنگ ہو جاتی ہے تو خوش بھی رہتی ہے ورنہ گھر میں اُداس پڑی رہتی ہے۔ بہرحال مجھے اس سب سے کیا لینا دینا تھا۔ میرے نزدیک وہ کوئی قابلِ توجہ شخصیت نہیں تھی۔

تقریباً ایک ماہ بعد وہ پھر نظر آگئی۔ ''سوک واقف'' میں گھومتے ہوئے نجیؔد کی والدہ، بھائی اور بیوی کے ہمراہ وہ پھر اپنے مخصوص انداز میں موجود تھی۔ ہم لوگ وہاں قطری سوونیئر (Souvenir) خرید رہے تھے۔ اس سوک (بازار) میں آکر نہ جانے کیوں مجھے اٹلی کا شہر وینس یاد آگیا تھا۔ جہاں قدم رکھتے ہی آپ سیکڑوں سال پرانی گلیوں اور بازاروں میں

پہنچ جاتے ہیں۔ وینس کی طرح ہی یہاں سڑکیں کہیں نہیں ہیں، گلیاں ہی گلیاں ہیں۔ پرانے زمانے کی کاریگری کے نمونے جو قطر کی روایتی تہذیب کی منھ بولتی نشانیاں ہیں، یہیں پہ ملیں گے۔ وقت کا پہیہ یہاں آکر جیسے گھوم سا جاتا ہے۔ وینس شہر کی طرح ہی یہاں لوگ بہت رِلیکس محسوس ہوتے ہیں۔ اپنا قومی لباس پہنے، خوش باش، بے فکرے، بے حد مطمئن اور پرسکون۔

میرے میزبان نے ایک ٹیبل کا انتخاب کرلیا تھا۔ مہک اینڈ پارٹی بھی وہیں آجمی تھی۔ جھلملاتی روشنیوں میں پرانی وضع کے صوفے اور چھپّر نما چھجوں میں لٹکی خوبصورت لالٹینیں قدیم طلسماتی فضا کا احساس کرا رہی تھی۔ 'حریص' کا آرڈر دیا جاچکا تھا جو جلد ہی آ بھی گیا۔

''حریص تو ایک دم بدمزہ ڈش ہے۔ کچھ اور منگائیے۔''

یہ مہک کی فرمائش تھی۔ مجھے ناگواری کا شدید احساس ہوا۔ ایسی منھ پھٹ لڑکی؟ ذرا تمیز نہیں!.... حالانکہ بات صحیح تھی۔ حریص ایک طرح کا بہت گاڑھا اور گھٹا ہوا (بلکہ پسا ہوا سمجھ لیجیے) حلیم تھا۔ اس میں ہری مرچ، ہرا دھنیا، ادرک، گرم مصالحہ ہی نہیں، نمک مرچ کا بھی اتہ پتہ نہیں تھا۔ میزبان نے اس کو اٹھوا کر ''شیش تبوک'' (Sesh Tawook) اور ''خان فروش'' (میٹھی کٹلیٹس) منگا لیا۔ شیش تبوک واقعی عمدہ تھا۔ یہ چکن تکّہ تھا جو لہسن، لال مرچ اور دہی کے پیسٹ کے ساتھ سیخ میں لگا کر آگ والے پرانے انداز کے آون میں پکایا گیا تھا اس لیے اسموکی بھی تھا۔

لوگ جگہ جگہ کھلے آسمان کے نیچے پتھریلے فرش پر پرانی وضع کی لکڑی کی کرسیوں پہ بیٹھے ہوئے فلیور ڈ حقّہ پی رہے تھے۔ جو یہاں سیسا کہلاتا ہے۔ مہک نے کچھ اِس انداز میں لمبی سانس کھینچی جیسے وہ ان حقّوں کے خوشبودار دھوئیں سے اپنے پھیپھڑوں کی ضیافت کے لیے بے چین ہوگئی ہو۔

''چلیں— ہم بھی حقّہ پیتے ہیں'' اس نے اپنی بڑی بڑی کاجل بھری شوخ نظریں چاروں طرف گھمائیں اور ایک بار پھر مجھے وہ بے حد گراں گزری تھی۔ 'سوک واقف' میں وطن پرستی اور شاہ پرستی کافی واضح تھی۔ جگہ جگہ امیر شیخ تمیم بن حماد التھانی کی ایک نامور مصوّر کے ذریعہ بنائی ہوئی پورٹریٹ کے خوبصورت اسٹیکر اور قطری پرچم نظر آرہے تھے۔ شاید یہ یہاں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہو، یا یہ کہ لوگ اپنے شاہ کو چاہتے ہی اس قدر ہوں کہ نہ صرف سوک واقف کی دکانوں پر بلکہ ہر جگہ، مکانوں، مارکیٹس پر اور گاڑیوں پر بھی سوائے شیخ تمیم کی تصاویر کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ نہ کوئی سیاسی یا سماجی یا مذہبی بینر، نہ اشتہارات، نہ ہورڈنگس!

حقّے کا لطف لیتے ہوئے عصری مسائل پر گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ آس پاس موجود لوگ عربی یا انگلش ہی بول رہے تھے۔ لہٰذا بڑے دھڑلّے سے ہم لوگ ہندوستانی میں اظہارِ رائے کر رہے تھے۔ ان دنوں قطر ایک سیاسی سازش کا شکار تھا اور گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ یہاں انڈین بڑی تعداد میں ہیں۔ ایسے حالات میں ہماری وزیرِ داخلہ کا موقف کیا ہوگا۔ اُدھر شمالی کوریا کے تاناشاہ کی حرکتیں اشتعال پیدا کر رہی ہیں۔ کہیں تیسری عالمی جنگ نہ چھڑ جائے۔ ایسی سنجیدہ گفتگو کے دوران بھی مہک نچلی نہ بیٹھ سکی۔ اور تو اور کمنٹ مجھ پر ہی پاس کر دیا....

''آپ کی آواز بہت میٹھی ہے۔''

میں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس وقت اس کی بے جا دخل اندازی مجھے زہر لگی تھی۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی اور حسبِ عادت ٹانگ پر ٹانگ رکھے پیر ہلا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ریسٹ لیس لیگس سنڈروم کی مریضہ ہے۔ دل میں آیا اُس سے کہہ دوں کیا پارکنسنس بیماری (Parkinson's Disease) میں مبتلا ہوگئی ہو؟ تو اِس مرض کی دوا ''روپی نرول ایچ۔سی۔ایل'' استعمال کر کے دیکھو۔ ٹھیک ہوجاؤ گی۔ اس کی یہ بے وجہ کی مسکراہٹ! اس کا کیا علاج ہوسکتا تھا۔ وہ اب بھی میری طرف دیکھ رہی تھی جیسے ردِّعمل جاننا چاہتی ہو۔

''مہک! کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟'' میں نے ذرا ترشی سے پوچھا تھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اور نہیں تو کیا میں حقّے سے مخاطب ہوں؟''

اس بیدار بخت کو میں کیا کہتی۔ خون کا سا گھونٹ پی کر خود ہی خاموش ہوگئی۔ میں اس کے متعلق زیادہ جانتی بھی تو نہیں تھی۔ بس اندازہ تھا کہ نجید کی والدہ کی کوئی دور کی رشتہ دار ہی ہوگی، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جب نجید کی والدہ کی وہیل چیئر اس کا چھ فِٹا چھوٹا بھائی ناشد بھی پکڑے رہتا تھا تو مہک کیا ضروری تھی؟ وہ کیوں وہیل چیئر کو گھیرے رہتی؟ کیا کوئی چکّر تھا مہک اور ناشد کے درمیان یا....! اف! کیسی بکواس باتیں ذہن میں آتی ہیں اُس خرافاتی لڑکی کے لیے.... میں خود سے شرمندہ ہونے لگتی تھی۔

''اچھا یہ بتائیے آپ نے ''انصار گیلری'' سے بھی انڈیا لے جانے کے لیے کچھ خریداری کی ہے۔'' اس کا اگلا حملہ تھا....''اور سٹی سینٹر گئیں آپ؟'' میں خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنی دلچسپی والے ٹاپکس پر آرہی تھی، لیکن میرے ہی پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے۔ میرے جبڑے سختی سے بھنچنے لگے تھے۔

''دیکھئے وہاں کا سمیٹکس بہت عمدہ اور برانڈیڈ ہیں۔ آپ وہ ضرور

دیکھیں۔''

''میں کیا کروں گی دیکھ کر؟''

''ارے دیکھئے گا نہیں خرید لیجیے گا۔ آپ کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جائیں گے۔'' وہ پھر زور سے ہنسی۔

''اور ہاں G.R کے پروڈکٹس خریدیں۔ مہنگے ہیں، لیکن ان کی بڑی ریچ آئی ہوئی ہے۔ انڈیا کے لیے گولڈن روز کے کچھ آئیٹم ضرور سلیکٹ کریں۔ تحائف کے طور پر سب کو پسند آئیں گے۔''

''اچھا بھئی دیکھ لیں گے....اور کچھ؟'' میں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ اِس بکواس سلسلے کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ میرے جواب سے اس کی کاجل بھری حسین آنکھوں میں بچوں جیسی خوشی کا احساس جاگ اُٹھا۔

اسی طرح وہ کئی بار ملی۔ اب تو جیسے حواس پر چھا گئی تھی۔ اس طرح لاشعور میں گھس گئی تھی کہ جب بھی باہر کہیں گھومنے یا کھانے کا پروگرام بنتا مجھے لگنے لگتا کہ مہک ضرور ملے گی۔ سخت نفرت کے باوجود مجھے اس کو جھیلنا ہی پڑتا تھا۔ اکثر یوں بھی ہوتا کہ دونوں فیملیز کا اکٹھا پروگرام بن جاتا۔ کبھی 'لُولُو' ہائی پر مارکیٹ، تو کبھی ''بومبے چاٹ'' اور دہلی ذائقہ ریسٹورنٹ۔ ایک مرتبہ وہ سب کے ساتھ ''المیر امارٹ'' میں تھی۔ گھومتے گھومتے سب تھک گئے تھے۔ میں نے کافی ساری شاپنگ کرڈالی تھی۔ اب دل چاہتا تھا کہیں آرام سے بیٹھ کر کچھ کھا پی لیا جائے۔ کے۔ ایف۔ سی۔ سامنے ہی تھا، لیکن ہم لوگ ایک ایرانی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔ مجھے 'شاورمہ' پسند تھا۔ باقی لوگوں نے مندی (Mandi) جس کو مذبی بھی کہا جاتا ہے منگا لیا تھا۔ 'شاورمہ' ایک لبنانی ڈش ہے۔ چپاتی روٹی میں مسالے دار چکن منس کا رول۔ فرینچ فرائز اور کیچ اَپ۔ واہ۔

یہ ڈش ہندوستان میں بھی کامن ہے جب کہ مندی میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اُبلی ہوئی لوکی، پائے کا سوپ، فرائڈ چکن، اُبلے ہوئے چاول، ٹماٹر کی چٹنی، تلے ہوئے پیاز کے لچھّے، تلی ہوئی ثابت مرچ، ہری مرچ، ہرا دھنیا اور نہ جانے کیا کیا الم غلّم۔ یہ تھا مندی یا مذبی۔ وہ بلاوجہ میرے سر ہوگئی کہ ایک بار چکھ کر دیکھ لوں بہت ٹیسٹی ہے۔ بار بار کے اس کے اصرار نے مجھے غصّہ دلا دیا۔

''اندھی ہو تم۔ دیکھ نہیں رہیں میں نے شاورمہ منگایا ہے...مندی کھانا ہوتا تو یہ کیوں منگاتی؟''

میں بے طرح اُبل پڑی تھی۔ وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔ سب لوگ کبھی اس کو اور کبھی مجھے دیکھ رہے تھے۔ دل ہی دل میں شرمندہ تھی کہ میں کیوں اس طرح بے قابو ہوگئی۔ وہ محبت سے کہہ رہی تھی۔ کیا تھا اگر اس کا دل رکھ لیتی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا سب نجید کی والدہ، بھائی اور مہک کو واپس لکھنؤ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ان کا جیٹ ایئر کرافٹ شب کے گیارہ بجے تھا۔ ہم سب ان کو الوداع کہنے ۸ بجے ہی ایئر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ گیٹ نمبر چار پر وہ لوگ بھی ابھی ہی پہنچے تھے۔ سب سے گلے مل کر ہم لوگ واپس ہوتے اس سے پہلے اچانک مہک نے میرا آنچل پکڑ لیا۔

''کوئی گستاخی مجھ سے ہوئی ہو....تو معاف کر دیجیے گا۔'' اس کی آنکھیں جو کبھی اُداس نہ ہوتی تھیں آج بھیگی بھیگی تھیں اور وہ ناشد کے ساتھ سامان کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے گیٹ کے اندر چلی گئی۔

نجید کی والدہ اب پورٹ کی وہیل چیئر پر تھیں اور ایک پورٹر ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے نجید اور اس کی بیوی کے سروں پہ ایک بار پھر سے بوسہ دیا اور نہایت گلوگیر آواز ان کے منھ سے نکلی:

''تم جانتے ہو نجّو! مہک میری گود لی ہوئی بیٹی ہے۔ اسلام میں گود لینے کا مسئلہ الگ ہے، لیکن....میں نے دل سے اس کو اپنایا ہے۔ یہاں وہ تم سب سے بے حد مانوس ہوگئی ہے۔ بہت رنج کرے گی گھر جا کر— اس کو بھی فون کرتے رہنا تم دونوں.... یتیم ہے اور بینائی سے محروم ہے اس کی محرومی کا اس کو احساس مت ہونے دینا.....وہ پیار کو پہچانتی ہے اور.....''

اور بھی وہ نہ جانے کیا کیا کہتی رہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے تو اندھیرا چھانے لگا تھا۔ بس ایک ہی جملہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا ''اور بینائی سے محروم ہے....'' یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ بے شک نابینا لوگوں کے لیے دلّی کے آئی آئی ٹی ایکسپریس نے بریل میں ٹیکرڈ تیار کرلیا ہے اور نابینا لوگوں کے لیے ای۔میل، ڈاکیومینٹری فائل سے لے کر ویب براؤزنگ تک ممکن ہوگیا ہے....لیکن مہک تو.....وہ تو سب کچھ دیکھ لیتی تھی بغیر کسی ایکسپرٹ کی مدد کے۔ نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔

میں لپک کر گیٹ نمبر چار کے اندر گھستی چلی گئی۔ مہک گیٹ سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ آج وہ رو رہی تھی۔ آنسو لگاتار بے آواز بہہ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اس کو بانہوں میں بھینچ لیا۔ سینے سے لگا لیا۔ اس کے بھیگے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر ڈھیروں بوسے لے ڈالے۔ اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔ دل یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ وہ دیکھ نہیں سکتی اور آج اِس پیار پر بھی میرا بس نہیں تھا۔ کبھی اس کو لپٹا لیتی، کبھی آنسو پونچھتی، کبھی پیار کرتی.... یہ میں کب تھی.....؟ اور وہ؟ وہ یقیناً ایک ناقابلِ فراموش کردار تھی!!

○○